پروفیسر محمد اکرم ورک

صحابہ کرام کے اسلوب دعوت میں انسانی نفسیات کا لحاظ

(۳)

قصص

مخاطب کو دعوت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے قصوں اور کہانیوں کی زبان میں بات کرنا انسانی نفسیات کا ایک عمدہ اسلوب ہے کیونکہ قصوں اور کہانیوں کے پیرائے میں اگر بات کی جائے تو مخاطب واقعات کا تسلسل جاننے کے لیے ہمہ وقت داعی کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اس لیے تعلیم وتربیت اور دعوت وتبلیغ میں قصوں اور کہانیوں کا استعمال دور قدیم سے ہی تمام معاشروں میں ایک معروف چیز رہی ہے ، کیونکہ انسان قصہ اور کہانی کی زبان سے جو کچھ سنتا ہے اس سے اثر لیتا ہے۔ قرآن حکیم نے بھی لوگوں کی اس فطرت کو جانتے ہوئے کہ وہ طبعاً قصص کی جانب مائل ہوتی ہے اور ان سے متاثر ہوتی ہے قصص کو بطور ذریعہ تربیت اختیار کیا ہے۔ قرآن حکیم نے انتہائی اختصار کے ساتھ قصوں کی دعوتی وتربیتی تاثیر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (یوسف۱۲:۱۱۱)

''بے شک ان قصوں میں اہل فہم کے لیے بڑی عبرت ہے''

رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ نے بھی دعوت وتبلیغ میں سابقہ اقوام کے واقعات کو حوالے کے طور پر استعمال کر کے بہت سی باتیں لوگوں کے ذہن نشین کروائیں۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے وعظ فرمایا:

> ''ایک شخص جس کے نامۂ اعمال میں توحید کے سوا اور کوئی نیکی نہ تھی مرنے کے وقت وصیت کی کہ میری لاش کو جلا کر اور چکی میں پیس کر سمندر میں ڈال دینا۔ لوگوں نے اس کی وصیت پوری کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی روح سے سوال کیا: تو نے اپنی لاش کے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ کہنے لگا: اے اللہ! تیرے خوف اور ڈر سے۔ اس جواب پر دریائے رحمت جوش میں آیا اور وہ شخص بخش دیا گیا''۔ (۱)

اس تمثیلی قصے کو بیان کرنے سے عبداللہؓ بن مسعود کا مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو یہ سمجھایا جائے کہ تمام اعمال حسنہ کی

روح دراصل خشیتِ الٰہی ہی ہے۔

قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ ان کی زوجہ محترمہ فوت ہوگئیں تو محمدؒ بن کعب قرظی تعزیت کے لیے تشریف لائے اور کہا: بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو فقیہ، عالم، عابد اور مجتہد تھا۔ اسکی ایک بیوی تھی جس کے ساتھ اسے غایت درجہ محبت تھی وہ فوت ہوگئی تو اس آدمی کو بڑا دھچکا لگا اور شدت ملال کے باعث وہ گھر میں بیٹھ گیا، دروازہ بند کرلیا اور لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ اب اس کے پاس کوئی نہیں آسکتا تھا۔

ایک عورت نے جب یہ بات سنی تو اس کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ مجھے ان سے ایک حاجت ہے جس کے سلسلے میں ان سے میں نے فتویٰ لینا ہے، بالمشافہ پوچھے بغیر بات نہیں بن پڑے گی۔ لوگ تو چلے گئے لیکن وہ عورت دروازے پر جام ہوگئی اور کہا کہ مجھے اس کے سوا چارہ نہیں، کسی نے اس عالم سے کہا کہ یہاں ایک عورت ہے جو آپ سے کوئی فتویٰ لینا چاہتی ہے، وہ چاہتی ہے کہ میں بالمشافہ پوچھوں گی اور لوگ جا چکے ہیں، لیکن وہ دروازہ سے نہیں ٹلتی۔ کہا کہ اسے اندر آنے دو۔ وہ اندر آگئی اور اس نے کہا کہ میں آپ کی خدمت میں ایک مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے حاضر ہوئی ہوں۔ کہا؛ وہ کیا ہے؟ عورت نے کہا: میں نے اپنی ہمسائی سے کچھ زیور ادھار لیے تھے میں انھیں پہنتی رہی اور مدتوں ادھار دیتی رہی۔ اب اس گھر والوں نے مجھے پیغام بھیجا ہے کہ زیور انھیں لوٹا دوں تو کیا میں ان کی طرف لوٹا دوں؟ کہا: اللہ کی قسم ضرور۔ عورت نے کہا: میرے پاس تو اس زیور کو مدت گذر گئی پھر واپسی کیسی؟ کہا کہ اس صورت میں تو واپس لوٹانے کا اور زیادہ حق ہو گیا کہ اتنی مدت ادھار دیئے رکھا۔ عورت گویا ہوئی کہ حضور والا! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، کیا آپ اس چیز پر افسوس کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ادھار دی، پھر واپس لے لی، کیا وہ اس کا آپ سے زیادہ حقدار نہیں؟ اس بات نے عالم کی آنکھیں کھول دیں اور اس کی بات سے اللہ تعالیٰ نے اسے فائدہ پہنچایا۔ (۲)

تشبیہ وتمثیل سے وضاحت

استعارہ، تشبیہ اور تمثیل فصیح و بلیغ کلام کا لازمی عنصر ہیں، جو کلام کا زیب و زینت اور زیور شمار کئے جاتے ہیں، ان کی وجہ سے مفہوم ومعنی قریب الفہم ہو جاتا ہے، نازک تشبیہ وتمثیل اور لطیف استعارے سے کلام میں جو زور، قوت اور وسعت پیدا ہوتی ہے وہ کسی اور ذریعہ سے ممکن نہیں۔ تعلیم وتعلم اور دعوت وتبلیغ میں ہر مکتبہ فکر اور مختلف رجحانات وخیالات کے افراد سے واسطہ پڑتا ہے، جس میں خواندہ و ناخواندہ، حضری و بدوی ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، چنانچہ داعی کو ہر ایک کی تفہیم کے لیے اس کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو کرنا پڑتی ہے، جس سے وہ بات سمجھ جائے اور پیغام کی طرف متوجہ ہو۔ صحابہ کرامؓ دعوت وتبلیغ اور لوگوں کی تربیت میں اس اسلوب کو اختیار کرتے تھے۔ امثال اور تشبیہات ان مجرد معانی کے ادراک میں بہت معاون ہوتی ہیں جن کا موجودہ صورت میں سمجھنا دشوار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام مخفی اور معنوی امور کو محسوسات سے

تشبیہ دے کر سمجھاتے تھے۔

یہ ایسا اسلوبِ دعوت ہے جس میں مشکل ترین بات کو بھی عام فہم چیز کی مثال دے کر آسانی سے سمجھایا جا سکتا ہے۔ قرآن حکیم نے بھی اسی اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے مشکل اور پیچیدہ خیالات کو معمولی چیزوں کے ساتھ تشبیہ دے کر نہایت عمدگی کے ساتھ سمجھایا ہے۔ مثلاً قرآن مجید نے کلمۂ طیبہ کی مثال ایک عمدہ اور اعلیٰ نسل کے درخت سے دی ہے، جس کی جڑیں زمین میں گہری جمی ہوئی ہیں۔ (۳) اسی طرح کلمۂ خبیثہ کی مثال بد ذات درخت سے دی گئی ہے جو بیکار سمجھ کر زمین سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے۔ (۴)

یہ دعوت کا ایسا اسلوب ہے جس سے معمولی فہم وفراست رکھنے والا انسان بھی مشکل مسائل کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ زید بن اسلم نے عبداللہ بن ارقمؓ سے کہا: مجھے صدقہ کے اونٹوں میں سے سواری کا ایک اونٹ بتایئے تاکہ میں امیر المؤمنین سے سواری کے لیے مانگ لوں عبداللہ بن ارقمؓ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

> ''کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ ایک موٹا آدمی گرمی کے دنوں میں اپنے تہبند کے نیچے کی جگہ اور چڈے دھو کر تمھیں دے تو کیا تم وہ پانی پی لوگے؟ ''زید بن اسلم ناراض ہوکر کہنے لگے: اللہ آپ کو معاف فرمائے، آپ مجھ سے کتنی نامناسب بات کہہ رہے ہیں، عبداللہ بن ارقمؓ نے کہا: صدقہ لوگوں کا میل ہے جس سے وہ اپنے آپ کو دھوتے ہیں''۔ (۵)

اس مثال سے حضرت عبداللہ بن ارقمؓ کا مقصد مخاطب کے دل میں مالِ زکوٰۃ اور صدقات کے بارے میں نفرت پیدا کرنا تھا، کیونکہ جو شخص مالِ زکوٰۃ اور صدقات کا حقدار نہ ہو یا اشد ضرورت کے بغیر ہی اس کو حاصل کرنے کا متمنی ہو تو ایسے شخص کے لیے یہ مال گویا گندگی اور قابل نفرت چیز ہے۔

معدان بن ابی طلحہ الیعمری کا بیان ہے: ایک دفعہ حضرت ابو الدرداءؓ نے مجھ سے پوچھا: تمھارا مکان کہاں ہے؟ میں نے کہا: حمص کے قریب ایک گاؤں میں ہے۔ فرمانے لگے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ جس جگہ اذان اور باجماعت نماز نہ ہوتی ہو وہاں شیطان داخل ہو جاتا ہے اور پھر ان کو تنبیہ کے انداز میں ارشاد فرمایا:

عليك بالجماعة فانما يأكل الذئب القاصية (٦)	''تم جماعت کے ساتھ (شہر میں) نماز پڑھا کرو بے شک بھیڑیا اس بکری کو کھا جاتا ہے جو گلہ سے دور رہتی ہے''

ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

" يا ايها الناس! اتقوا هذا الشرك فانه اخفى من دبيب النمل" (٧)	''اے لوگو! شرک سے بچو، بے شک یہ چیونٹی کی چال سے زیادہ غیر محسوس ہے''۔

ایک دفعہ حضرت سلمان فارسیؓ نے حضرت ابو درداءؓ کو خط لکھا تو اس میں علم اور عالم کی عظمت کو تمثیلی

اسلوب کے ذریعہ بڑی خوبصورتی سے بیان فرمایا، آپ کے تحریر کردہ خط کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''علم ایک چشمہ ہے جس پر لوگ آتے ہیں اور اس سے نالیاں نکالتے ہیں اور اللہ اس سے بہتوں کو فائدہ پہنچاتا ہے لیکن اگر حکمت خاموش ہو تو وہ جسم بے روح ہے، اگر علم لٹایا نہ جائے تو وہ مدفون خزانہ ہے۔ عالم کی مثال اس شخص کی سی ہے جو تاریک راستے میں چراغ دکھاتا ہے تاکہ لوگ اس سے روشنی حاصل کریں اور اس کو دعا دیں'' (۸)

سوال وجواب / باہمی گفتگو

مخاطب کو اپنی دعوت کی طرف متوجہ کرنے اور اس کو ذہن نشین کرانے کے لیے ایک مؤثر ذریعہ اور اسلوب باہمی گفتگو اور بات چیت کا بھی ہے، مکالمانہ انداز اور سوال وجواب کا اسلوب مخاطب کے ذہن وفکر کو متوجہ کرنے میں کافی مددگار ثابت ہوتا ہے۔ واعظانہ اسلوبِ دعوت کے مقابلہ میں یہ اسلوب اثر انگیزی میں اس سے کہیں بڑھ کر ہے، کیونکہ اس صورت میں متکلم اور سامع کے درمیان براہ راست گفتگو ہوتی ہے اور حقائق کو ہلکے پھلکے انداز میں مخاطب کے ذہن میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ فروغِ دعوت کے لیے سوال وجواب اور باہمی گفتگو کا اسلوب بہت مؤثر ہے بالخصوص اگر وہ سوال اور بحث کسی پوشیدہ حقیقت کی نقاب کشائی کے لیے ہو تو اس سے نہ صرف سائل بلکہ دوسرے لوگ بھی گمراہی سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے مثبت اور تعمیری سوالات کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی اور ان کو پورے علمی اور تحقیقی انداز میں جوابات مرحمت فرمائے۔

عروہ بن زبیر روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا: کیا آپؓ نے غور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''بے شک صفا اور مروہ، اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ جو بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ دونوں کا طواف کرے''۔ لہٰذا آدمی پر کچھ نہیں ہے جبکہ وہ دونوں کا طواف نہ کرے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ہرگز نہیں، اگر بات یہی ہوتی جو تم کہہ رہے ہو تو حکم یوں ہوتا۔ ''فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يطَّوَّفَ بِهِمَا'' یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی ہے جو مناۃ کے لیے حج کرتے تھے اور مناۃ نامی بت قدید کے بالمقابل تھا اور وہ صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنے کو برا سمجھتے تھے، جب اسلام آیا تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا: بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے''۔ (۸)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا: اے ابوعبدالرحمٰنؓ! میں نے ایک آدمی کو قرض دیا ہے اور اس سے شرط کی ہے کہ اس سے بہتر چیز لوں گا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: یہ تو سود ہے، کہا: اے ابو عبدالرحمٰنؓ! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: قرض تین طرح کا ہے، ایک وہ قرض جو

رضائے الٰہی کے لیے ہے، دوسرا وہ کہ دوست کی مدد کی جائے تو یہ دوست کی مدد ہے، تیسرا وہ ہے کہ پاک مال کے بدلے ناپاک مال لے اور یہ سود ہے۔ کہا اے ابوعبدالرحمٰنؓ! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: میرے خیال میں دستاویز کو پھاڑ دو۔ اگر وہ تمھارے جیسی چیز دے تو قبول کر لینا۔ اگر گھٹا دے تب بھی لے لینا کہ تمھیں اجر ملے گا۔ اگر تمھاری چیز سے بہتر اپنی خوشی سے دے تو یہ اس نے تمھارا شکریہ ادا کیا اور تمھیں مہلت دینے کا اجر ملے گا۔ (۹)

ابن عباسؓ کی خدمت میں ایک شخص خراسان سے آیا اور عرض کی کہ ہمارا تعلق سرد علاقہ سے ہے۔ اور پھر اس نے شراب کی چند اقسام کا ذکر کیا تو ابن عباسؓ نے فرمایا:

اجتنب ما أسكر من زبيب أو تمر أو ما سوى ذالك ، قال : ما تقول في نبيذ الجر ؟ قال : نهى رسول اللهﷺ عن نبيذ الجر (۱۰)	’’ہر نشہ آور چیز مثلاً منقہ اور کھجور وغیرہ سے بچو۔ آپؓ مشکیزے کی نبیذ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو آپؓ نے فرمایا: رسول اللہﷺ نے (روغنی) مشکیزے میں نبیذ بنانے سے منع کیا ہے‘‘۔

علقمہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے وعظ کرتے ہوئے فرمایا:

”لعن الله الواشمات ، والمتوشمات ، والمتنمصات المتفلحات للحسنِ المغيّرات خلق الله“

ام یعقوب نامی ایک عورت کو پتہ چلا تو آپؓ کے پاس آئی اور کہا: مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے یہ بات کہی ہے۔ آپؓ نے فرمایا: میں اس پر کیوں لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہﷺ نے کتاب اللہ میں لعنت فرمائی ہے۔ اس نے کہا: میں نے پورا قرآن پڑھا ہے میں نے یہ چیز اس میں نہیں پائی۔ آپؓ نے فرمایا: کیا تم نے قرآن میں یہ پڑھا ہے:

وَمَآ اٰتَا كُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر،۵۹:۷)	اللہ کے رسولﷺ جو تمھیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

اس نے کہا: ہاں، آپؓ نے فرمایا: بے شک رسول اللہﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اس نے کہا: میرا گمان ہے کہ آپ کے اہل خانہ ایسا کرتے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا: جاؤ اور دیکھو، وہ عورت گئی اور واپس آ کر کہا: وہاں میں نے کچھ نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا: اگر میری بیوی ایسا کرتی تو میں اسے اپنے پاس نہ رہنے دیتا۔ (۱۱)

ابوالطفیل کا بیان ہے کہ میں نے ابن عباسؓ سے کہا: آپ کی قوم کا خیال ہے کہ رسول اللہﷺ نے بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے رمل کیا ہے اور یہ سنت ہے۔ بولے: انھوں نے سچ کہا اور جھوٹ کہا، ابوالطفیل نے عرض کیا: انھوں نے سچ کہا اور جھوٹ بھی، یہ کیسے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا:

قدر مل رسول الله ﷺ بالبيت وليس بسنة ، قدر مل رسول الله ﷺ واصحابه والمشركون على جبل قعيقعان ، فبلغه انهم يتحدّثون أن بهم هذلاً ، فأمر بهم أن يرملو ا الير يهم أن بهم قوة (۱۲)	رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کا رمل فرمایا جبکہ یہ سنت نہیں ہے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب نے بھی رمل کیا جبکہ مشرک قعیقعان پر تھے، پس رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ وہ باتیں کر رہے ہیں کہ مسلمان کمزور ہو چکے ہیں، پس رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ رمل کریں تا کہ ان کو دکھایا جا سکے کہ مسلمان طاقتور ہیں۔

سعید بن جبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے لعان کرنے والے میاں بیوی کے بارے میں سوال کیا کہ کیا ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں پھر لعان کی آیات کے شانِ نزول کو بیان فرمایا اور مسئلے کی تمام جزئیات کا تفصیلی جواب دیا۔ (۱۳)

غلطی کرنے والے سے تبادلۂ خیال کی کوشش کا یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ اس طرح اس کی عقل پر سے وہ پردہ ہٹ جاتا ہے جو حق کی قبولیت میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ آدمی سیدھی راہ قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

مصر سے ایک آدمی حج کی نیت سے مکہ آیا۔ اس نے بیت اللہ میں ایک جگہ لوگوں کا مجمع دیکھا تو پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے بتایا یہ قریش کے لوگ ہیں۔ اس نے کہا: ان میں سب سے بزرگ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: عبداللہ بن عمرؓ۔ اس نے کہا؛ اے ابن عمرؓ میں تمھیں بیت اللہ کی عزت کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تمھیں معلوم ہے کہ عثمانؓ بن عفان یوم احد میں بھاگ گئے تھے؟ ابن عمر نے فرمایا: ہاں، اس نے کہا: کیا آپؓ کو معلوم ہے کہ وہ غزوہ بدر کے دن بھی غائب تھے؟ آپؓ نے فرمایا: ہاں، اس نے کہا: آپ کو پتہ ہے کہ وہ بیعت رضوان میں بھی غائب تھے؟ آپؓ نے فرمایا: ہاں، تو مصری نے کہا: اللہ اکبر۔

ابن عمرؓ نے فرمایا: ذرا ادھر آؤ تا کہ میں ان چیزوں کی حقیقت بیان کر دوں جن کے بارے میں تو نے سوال کیا ہے، جہاں تک غزوہ احد میں حضرت عثمانؓ کے فرار ہونے کا تعلق ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ وہ لغزش معاف کر چکا ہے، اور جہاں تک غزوہ بدر سے غائب ہونے والی بات ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی زوجیت میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی تھیں اور وہ اس وقت بیمار تھیں۔ اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا تھا کہ ان کے لیے بھی بدر میں حاضر ہونے والے آدمی جتنا حصہ اور اجر ہے۔ بیعت رضوان میں آپؓ اس وجہ سے شامل نہ تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اہل مکہ کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا اور بیعت رضوان ان کے جانے کے بعد ہوئی تاہم رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ کر ان کی طرف سے بھی بیعت کی تھی اور فرمایا تھا: یہ عثمان کا ہاتھ ہے پھر ابن عمرؓ نے اس کو مطمئن کرنے کے بعد رخصت فرمایا۔ (۱۴)

اس اسلوبِ دعوت کے اہم فوائد یہ ہیں:

☆ مکالمانہ انداز کی اثر انگیزی مسلم ہے اور اس پیرائے میں جو بات بھی کی جائے گی وہ ضرور اثر کرے گی اور تادیر سامع کے دل و دماغ پر اس کے اثرات قائم رہیں گے۔

☆ سوال و جواب کے اسلوب میں گفتگو کا سلسلہ عام طور پر اس وقت ختم ہوتا ہے جب حقائق مخاطب پر پوری طرح واضح ہو جاتے ہیں اور اس بات کا امکان کم ہی ہوتا ہے کہ گفتگو طرفین کے اطمینان کے بغیر ختم ہو جائے، اس لیے عام طور پر مکالمے کے اختتام پر مخاطب پر حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہوتی ہے۔

☆ اس اسلوب میں داعی اور مخاطب دونوں کی توجہ اور انہماک پورے عروج پر ہوتا ہے، اس لیے اس کی اثر انگیزی تقریر و تحریر کے مقابلہ میں کہیں بڑھ کر ہے۔

☆ مکالمانہ انداز میں داعی کے لیے موقع ہوتا ہے کہ وہ غیر محسوس انداز میں اپنی دعوت کے دائرہ کو پھیلا کر مخاطب کو متاثر کرے۔

حوالہ جات

(۱) المسند، مسند عبداللہؓ بن مسعود، ح:۳۷۷۶، ۶۵۸/۱

(۲) الموطأ، کتاب الجنائز، باب جامع الحسبۃ فی المصیبۃ، ح:۳۷۲، ص:۱۶۷ (2) ابراہیم ۱۴:۲۴

(۳) ابراہیم ۱۴:۲۶

(۴) الموطا، کتاب الصدقۃ، باب ما یکرہ من الصدقۃ، ح:۹۵۳، ص:۶۱۳

(۵) المسند، حدیث ابی الدرداءؓ، ح:۲۶۹۶۸، ۵۹۹/۷

(۶) المسند، حدیث ابی موسیٰ الاشعریؓ، ح:۱۹۱۰۹، ۵۴۹/۵

(۷) سنن الدارمی، المقدمۃ، باب البلاغ رسول اللہ ﷺ وتعلیم السنن، ح:۵۶۳، ۱۴۵/۱-۱۴۶

(۸) الموطأ، کتاب الحج، باب جامع السعی، ح:۴۰۲، ص:۵۱۔ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: ان الصفا والمروۃ من شعائر اللّٰہ، ح:۴۴۹۵، ص:۷۶۴

(۹) الموطأ، کتاب البیوع، باب مالا یجوز من السلف، ح:۷۷۴، ص:۴۲۰

(۱۰) المسند، مسند عبداللہ بن عباسؓ، ح:۲۰۱۰، ۳۷۷/۱

(۱۱) المسند، مسند عبداللہؓ بن مسعود، ح:۴۱۱۸، ۳۹۳۵، ۷۱۵/۱

(۱۲) المسند، مسند عبداللہ بن عباسؓ، ح:۲۰۳۰، ۳۸۰/۱

(۱۳) المسند، مسند عبداللہ بن عمرؓ، ح:۴۹۸۹، ۱۳۲/۲

(۱۴) المسند، مسند عبداللہ بن عمرؓ، ح:۵۷۳۷، ۲۳۷/۲